قرآن کی نگاہ سے رہبری کی شرائط اور اس کا امت اسلامی کی بیداری میں کردار کا ایک جائزہ

فرح زیدی (پاکستان)[۱]۔ محمد علی رضایی اصفہانی[۲] (ایران)

خداوند عالم نے قرآن کریم میں امت اسلامی میں بیداری ایجاد کرنے نیز اس کی حفاظت اور پائیداری کے لئے کچھ اہم اصول و شرائط ذکر کیئے ہیں. الٰہی نمائندوں میں یہ شرائط پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے وہ امت اسلامی کو خواب غفلت سے بیدار کرنے نیز ان میں تحولات ایجاد کیئے ہیں۔ علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر جو بیداری آئی ہوئی ہے اور اس میں ملت اور ان کے نمائندوں کے کردار پر توجہ کرنے سے امتوں کی بیداری کے لئے ان شرائط کی پہچان اور ان کے استعمال کے صحیح طریقہ سے آشنائی کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ایک ایسا رہبر کہ جس میں بصیرت، استقامت اور صبر و توفیق نہ ہو وہ کبھی بھی اپنے دشمن کا ڈٹ کے مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی اپنی ملت کے اساسوں کی حفاظت کر سکتا ہے۔ نیز ملت کو بھی ان شرائط کا حامل ہونا ضروری ہے کیونکہ ملت میں ان شرائط کا فقدان انہیں اپنے ہدف تک پہنچنے نہیں دے گا۔ ملتوں کی تقدیر رقم کرنے میں نمائندے اور رہبر ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کی کامیابی اور ناکامی خود رہبر پر، اس کی روحی شرائط اور فیصلوں پر منحصر ہے۔ نیز اسلامی اقدار اور متکبرانہ افکار کی مخالفت کی بناپر نیا مشرق وسطی (Middle East) کا قیام باعث بنا کہ قرآن کی نظر سے رہبری کی ضرورت اور اس کے شرائط و کردار کو زیادہ موضوع بحث قرار دیا جائے۔

نیز جب علاقائی تبدیلیوں پر توجہ دی جائے تو یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ استکباریت کی شکست اور جبہہ مقاومت کی کامیابی نزدیک ہے۔

کلیدی الفاظ: شرائط، رہبری (نمائندہ)، کردار، اسلامی بیداری، امت، تحولات۔

---

۱. (کارشناسی ارشد _ فقہ خانوادہ _ جامعہ الزہراء قم ایران) @gmail.com۱۹۹۸Farahzaidi

۱. (یہ مقالہ اسلامک اسکالر حجۃ الاسلام ڈاکٹر محمد یعقوب بشوی صاحب کا ہے اصل مقالہ فارسی زبان میں تھا اس کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے اردو زبان قارئین کی خدمت میں اس کا اردو میں ترجمہ پیش کیا ہے.)

۲. استاد جامعہ المصطفیٰ العالمیہ.

مقدمہ:

اس وقت کہ جب کسی بھی علاقائی انقلاب کا نام و نشان بھی نہ تھا ایسے وقت میں ۷ ۲فروری ۲۰۱۰ء کو رہبر انقلاب اسلامی حضرت آیہ اللہ العظمٰی خامنہ ای (مدظلہ العالی) کی جانب سے دنیاء اسلام کے معنوی دارالخلافہ میں پہلی مرتبہ مشرقی وسطی کے قیام کی پیشنگوئی ہوئی۔ انہوں نے غزہ کے عنوان سے برقرار نمائش میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقدر شدہ تقدیر کی بنیاد پر جلد ہی نئے مشرقی وسطی کا قیام ہوگا اور یہ مشرقی وسطی، اسلامی مشرقی وسطی ہوگا'' (شبکہ اول سیما، (ہشتم اسفند ۱۳۸۸ش، پخش سخنرانی، بعد از اخبار سراسر ساعت ۲۱). ابھی اس پیشنگوئی کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ عرب ممالک میں ایک ایسا انقلاب اور بیداری شروع ہوئی کہ جس کی نظیر ہمیں تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ یہ بیداری استکباریت اور ڈیکٹیٹر شپ کے تباہ ہو جانے سے وجود میں آئی۔ جو انقالب رونما ہوئے یا ابھی رونما ہو رہے ہیں، ان پر توجہ کی جائے تو یہ سوال ایجاد ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے ایک رہبر اور امت کے لئے کن شرائط کو ذکر کیا ہے؟ ایک رہبر کا اپنی ملت کی تقدیر میں کیا کردار ہوتا ہے؟ ان سوالات کے جواب دینے سے پہلے ضروری ہے کہ کچھ ضروری اصطلاحات کی تعریف سے آشنائی حاصل کی جائے۔

مفہوم شناسی

اسلام:

راغب اصفہانی اسلام سے مراد صلح میں داخل ہونا لیتے ہے کہ طرفین میں سے ہر ایک شخص امان میں ہوتا ہے اس طرح کہ کوئی کسی پر جسمانی یا روحانی وار نہیں کر سکتا (: المفردات فی غریب القرآن، ص ۴۲۳) ۔

علامہ معتقد ہیں کہ دین اسلام مبداء و معاد سے متعلق ایسے معارف اور معاشرتی قوانین یعنی عبادات و معاملات کا مجموعہ ہے کہ جو وحی اور نبی و رسول کے ذریعہ سے ہم تک پہنچتے ہیں (المیزان، ج۱، ص۶۴۱) ۔اس تحقیق میں ہماری مراد اسلام کے لغوی معنی نہیں بلکہ اسلام سے مراد ایک ایسا دین ہے کہ جو عقائد، اخلاق، احکام، اجتماعی قوانین اور وہ تمام چیزیں جو ایک معاشرے کی ضرورت ہیں، کا مجموعہ ہے۔ علامہ نے اس کے ایک اہم حصہ کی جانب اشارہ کیا ہے۔

امت:

راغب اصفہانی امت کے بارے میں کہتے ہیں: ''ہر وہ گروہ کو جو ایک خاص فکر کی بنیاد پر آپس میں جمع ہو

جائیں اب چاہے وہ دینی مسئلہ ہو یا زمانی یا مکانی اور فرق نہیں پڑتا کہ وہ جامع نکتہ ایک اختیاری کام ہو یا اجباری" (المفردات فی غریب القرآن، ص۸۵). استاد مصباح یزدی کچھ اس طرح تعریف کرتے ہیں: "امت قرآن کی نگاہ سے انسانوں کے ایک ایسے مجموعہ کا نام ہے کہ جن کے درمیان کوئی نکتہ امام و اشتراک پایا جاتا ہو" (جامعہ و تاریخ از دیدگاہ قرآن، ص۷۵). اس تحقیق میں امت سے مراد لوگوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے کہ جو ایک رہبر، ایک آئین اور ایک ہدف سے برخوردار ہیں اور قرآن کی اصطلاح میں انہیں امت وحدہ (انبیا: ۲۱، ۹۲) کہا جاتا ہے۔

رہبری:

رہبری، دین کی نظر میں وہ مہم منصب ہے کہ جو پیغمبروں اور ان کے حقیقی جانشینوں کا حق ہے کہ جن کے لئے امام، ولی امر، اولی الامر وغیرہ جیسی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ حجت خدا کی عدم موجودگی میں دینی علماء کو یہ حق حاصل ہے۔ البتہ اس تحقیق میں ہماری مراد عام ہے اور رہبر کے تینوں گروہوں (پیغمبر، امام اور علماء) کو شامل ہوتی ہے۔ بعض اسلامی سائنسدانوں نے رہبر کے لئے چھبیس شرائط ذکر کی ہیں (: محمد تقی، مصباح یزدی، جامعہ و تاریخ از دیدگاہ قرآن، ص۳۷۴ _ ۳۹۳) ۔ ممکن ہے کہ کبھی کبھار کسی مکتب فکر یا کسی ملک پر بھی رہبر کا لفظ اطلاق ہو۔ یہ ایک عام لفظ ہے کہ جو اچھے اور برے دونوں قسم کے رہبر پر اطلاق ہوتا ہے البتہ اس تحقیق میں ہماری مراد صرف رہبر مثبت ہے۔

شرائط:

شرائط کسی بھی معاشرے کی تبدیلی میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ گی روشہ کی تعریف کے مطابق: "شرائط ایسے مناسب یا نامناسب عناصر ہیں کہ جو ایک یا چند عوامل کے اثر یا اثرات کو بڑھاتے یا کم کرتے نیز تیزتر یا کندتر کرتے ہیں" (گی روشہ، تغییرات اجتماعی، ص۳۲) ۔ بقول واگو شرائط کسی چیز کے ایجاد ہونے یا کسی اثر کے قبول کرنے کی رفتار کو بڑھاتے یا کم کرتے ہیں (واگو، درآمدی برتئوریہا و مدلہای تغییرات اجتماعی، ص۲۲۳) ۔ اجتماعی میدان میں شرائط ایک مہم کردار ادا کرتے ہیں (واگو، درآمدی برتئوریہا و مدلہای تغییرات اجتماعی، ۲۳۱ _ ۲۴۰) ۔ مقالہ نگار کی نگاہ میں شرائط سے مراد ایسے اہم عناصر کا مجموعہ ہے کہ جو رہبر اور امت کی بیداری میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ نیز اس نکتہ کی جانب بھی توجہ کی ضرورت ہے کہ یہ شرائط رہبر اور ملت کے درمیان مشترک ہوں۔

الف) اسلامی بیداری میں رہبر کے شرائط

بہت سے ممالک میں انقلاب آئے لیکن وہ امیدیں جو ان انقلابوں سے وابستہ تھیں، پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکیں۔ مصر، یمن، لیبیا، تیونس وغیرہ میں کون سی مشکلات ہیں کہ جن کا حل ہونا ضروری ہے؟ جب ہم ان ممالک اور ان کو درپیش مسائل پر نیز دیگر ممالک میں پائے جانے والے داخلی اور خارجی مسائل پر نظر کرتے ہیں تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ یہ تمام مشکلات کی اصل اور بنیاد رہبر جامع الشرائط کا فقدان ہے۔ جس طرح یہ بات ناقابل انکار ہے کہ اگر ملت و قوم بیدار نہ ہو تو امام و رہبر تنہا معاشرے میں کسی ہدف تک نہیں پہنچ سکتا بالکل اسی طرح ملت بھی ایک اچھے رہبر کے بغیر اپنے اہداف تک راسائی حاصل نہیں کر سکتی۔

رہبر اور ملت جسم و روح کی مانند ہیں۔ قوم و ملت ایک جسم ہے کہ جس کی روح رہبر ہے۔ جسم روح کے بغیر بے فائدہ ہے۔ یہ روح ہے کہ جو جسم کو شناخت عطا کرتی ہے، لیکن اگر جسم نہ ہو تو روح بھی اپنی صلاحیت و قابلیت و توانائی دکھانے سے قاصر ہے۔ قرآن مجید نے رہبر و ملت دونوں کے لئے بہت سے شرائط ذکر کئے ہیں۔ اگر ان شرائط پر توجہ دی جائے تو اسلامی بیداری کے بہتر اور ثمر بخش نتائج سامنے آئیں گے۔ یہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ بصیرت:

بیداری کے حصول کی ایک اہم ترین شرط بصیرت ہے کہ انسان معاشرے میں تحقق پانے والے حادثات سے آشنا ہو۔ اگر رہبر اور امت با بصیرت ہو جائیں تو بہت سے تاریخی حقائق سے پردہ اٹھ جاتا ہے۔ بصیرت، بیداری کو ایجاد کرنے نیز اسے مستدام رکھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ کلمہ بصیرت (ب _ ص -ر) سے لیا گیا ہے (ابن منظور، لسان العرب، ج۴، ص۶۵) کہ راغب اصفہانی اسے درک قلبی کے معنی میں لیتے ہیں (المفردات فی غریب القرآن، ص۱۲۷) ۔ اور بعض دیگر لغت شناس نے دل کی بینائی کے معنی میں لیا ہے (علی اکبر قرشی، قاموس قرآن، ج۱، ص۱۹۵) ۔

کلمہ 'بصر' مختلف مشتقات کے ساتھ قرآن مجید میں بارہا استعمال ہوا ہے؛ بطور کلی بصیرت و ابصار 'بینائی اور دیکھنے' کے معنی میں ہے کہ جس سے مراد کبھی ظاہری آنکھ ہوتی ہے کہ جس کا تعلق حسیات سے ہے تو کبھی داخلی آنکھ اور عقل کہ جو عقلی اور قلبی ادراکات کے معنی میں ہے (مرکز فرہنگ و معارف قرآن، دائرۃ

المعارف قرآن کریم، ج۵، مادہ (بصیرت) ۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں کلمہ بصیر خداوند متعال کی صفت کے عنوان سے آیا ہے (آیات ۹۶، ۱۱۰، ۲۳۳، ۲۳۷ سورہ بقرہ، و آیات ۲۰، ۱۵، ۱۵۶، ۱۶۳ سورہ آل عمران) ۔

قرآن کریم میں بیداری کی زمینہ ساز اور مہم ترین شرط بصیرت کو قرار دیا گیا ہے، «قُلْ هٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُوا إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي» (یوسف: ۱۲، ۱۰۸). مفسرین نے اس آیت میں بصیرت کے مختلف معنی ذکر کیئے ہیں مثلا: یقین و حق (ابیاری، الموسوعۃ القرآنیۃ، ج۱۰، ص۱۴۸)، معرفت، (بغدادی، لباب التأویل، ج ۲، ص۵۵۹) ہدایت و نور (سید قطب، فی ظلال القرآن، ج۴، ص۲۰۳۴) و حجت قطعی (طبرسی، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ج۵، ص۴۱۱) ۔ان تمام معنی پر نگاہ کی جائے تو سمجھ آتا ہے کہ بصیرت وہ وسیلہ ہے کہ جو حق و باطل کی پہچان کرواتا ہے اور ذکر شدہ معنیٰ اس چیز کا نتیجہ ہیں نہ کہ اس کا معنی۔

اگر ملت و قرم، حق و باطل کی شناخت کرانے والے وسیلہ (بصیرت) کی حامل ہو جائے تو حقیقی رہبر اور مکار و فریب کار رہبروں کے بیچ فرق کر سکے گی۔ پھر حق اور باطل کے راستے کی تشخیص ان کے لئے آسان ہو جائے گی۔ اس آیت میں رہبر اور ملت کے با بصیرت ہونے کے متعلق گفتگو کی گئی ہے کہ رہبر کا معاشرے کی بیداری اور اجتماعی تحولات کی ایجاد کے لئے با بصیرت ہونا ضروری ہے۔ بعض روایات میں «وَمَنِ اتَّبَعَنِي»، امام علی علیہ السلام اور دیگر آئمہ اطہار علیہم السلام پر اطلاق ہوا ہے (ابوحمزہ ثمالی، تفسیر القرآن الکریم، ص۲۱۴؛ حسکانی، شواہد التنزیل لقواعد التفضیل، ج۱، ص۳۷۲) ۔ معلوم ہوتا ہے کہ «وَمَنِ اتَّبَعَنِي» کا آئمہ معصومین پر اطلاق، مصداق اتم کے عنوان سے ہے نہ انحصار کے عنوان سے۔ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام اپنی بصیرت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جان لو کہ بے شک شیطان نے اپنے گروہوں کو جمع کر لیا ہے اور اپنے سوار اور پیادے سمیٹ لئے ہیں۔ میرے ساتھ یقیناً میری بصیرت ہے نہ میں نے خود (جان بوجھ کر) کبھی اپنے کو دھوکا دیا اور نہ مجھے واقعی کبھی دھوکا ہوا۔'' (ابن میثم بحرانی، شرح نہج البلاغۃ، ج۱، ص۲۸۵).

اہل سنت عالم دین ابن ابی الحدید معتزلی «وإن معی لبصیرتی» کی شرح میں کہتا ہے: «یرید إن البصیرۃ التی کانت معی فی زمن رسول اللہ ص لم تتغیر» (ابن ابی الحدید معتزلی، شرح نہج البلاغۃ لابن إبی الحدید، ج۱، ص۲۳۹)؛ وہی بصیرت کہ جس کے ساتھ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانا اور ان کے زمانے کے تمام حوادث

میں ان کے ساتھ رہا، وہی بصیرت آج بھی میرے پاس ہے۔ «اور یہ جملہ سورہ یوسف کی ۱۰۸ویں آیت کی طرف اشارہ ہے۔ امام رضا علیہ السلام سے ایک حدیث نقل ہے کہ جس میں آپ علیہ السلام نے فرمایا: «لَنَا اَعْيُنٌ لَا تُشْبِهُ اَعْيُنَ النَّاسِ وَفِيهَا نُورٌ لَيْسَ لِلشَّيْطَانِ فِيهَا نَصِيب»؛ ہمارے پاس ایسی آنکھیں ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں اور ان میں ایسا نور ہے کہ جو شیطان کو نصیب نہیں ہوگا۔ (شیخ طوسی، الامالی، ۲۴۵). ایک رہبر کو امام علی علیہ السلام کی طرح بصیرت کا حامل ہونا چاہیئے کہ ناکثین، قاسطین اور مارقین کے ساتھ جنگ کے بعد خوارج کے خلاف کھڑا ہو سکے (ابن عبدالبر، الاستیعاب، ج۳، ص۱۱۱۷)، امام علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی ان کے مقابل میں کھڑا نہیں ہو سکتا تھا یہ امام علی علیہ السلام کی ذات تھی کہ جنہوں نے فتنہ کو اس کی جڑوں سے اکھاڑ پھینکا: «فَاَنَا فَقَأْتُ عَيْنَ الْفِتْنَةِ وَلَمْ يَكُنْ لِيَجْتَرِئَ عَلَيْهَا اَحَدٌ غَيْرِي» (بحرانی، شرح نہج البلاغۃ، ج۲، ص۳۸۷)۔

خداوند متعال نے قرآن کریم میں بصیرت کے لئے فرقان کا لفظ بھی ذکر کیا ہے اور اس کے حقدار وہی افراد ہیں کہ جو متقی ہیں: «يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا» (انفال، ۲۹)۔ بعض مفسران فرقان کو بصیرت سے تفسیر کرتے ہیں (مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، ج۷، ص۱۴۰؛ قرائتی، تفسیر نور، ج۴، ص۳۱۰؛ جعفری، کوثر، ج۴، ص۳۵۵؛ مترجمان، تفسیر ہدایت، ج۴، ص۴۲). اسی طرح بعض مترجمین قرآن بھی بصیرت کے معنیٰ میں لیتے ہیں (الہی قمشہ ای، ترجمہ، ص۱۸۰؛ آیتی، ترجمہ قرآن، ص۱۸۰)۔ بعض مفسران نے مخرج (ابن جوزی، زاد المسیر فی علم التفسیر، ج۲، ص۲۰۴)، دین میں نور (ابو محمد، تفسیر التستری، ص۷۱؛ کاشانی، تفسیر المعین، ج۱، ص۴۵۳)، ولایت کا نور (گنابادی، تفسیر بیان السعادۃ، ج۲، ص۲۳۴)، باطنی نورانیت (مصطفوی، تفسیر روشن، ج۹، ص۳۲۳)، حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا علم (قمی، تفسیر القمی، ج۱، ص۲۷۲)، مدد و نصرت و ہدایت (کاشانی، تفسیر منہج الصادقین، ج۴، ص۱۹۱) کے معنیٰ میں لیا ہے۔ علامہ معتقد ہیں کہ دو چیزوں کے درمیان فرق ڈالنے والی چیز کو (فرقان) کہتے ہیں (طباطبائی، المیزان، ج۹، ص۷۱)۔ اور اس آیت میں فرقان سے مراد وہ چیز ہے کہ جو حق و باطل کے درمیان فرق ایجاد کرتی ہے۔ عقائد میں فرقان، ایمان و ہدایت کو کفر و ضلالت سے جدا کرنے کے معنیٰ میں ہے۔ عمل میں فرقان سے مراد اطاعت اور ہر وہ کام کہ جو خدا کو پسند ہے، کو معصیت اور ہر اس کام سے کہ جو خدا کی ناراضگی کا باعث ہو، سے جدا کرنے اور رای اور نظر میں صحیح اور باطل افکار کو جدا کرنے کے معنیٰ میں ہے۔

علامہ کی بیان کردہ تعریف جامع و کامل نظر آتی ہے۔ حق و باطل کو جدا کرنے والی شئ کے مصادیق مختلف

ہیں کہ تفسیری کتابوں میں نور، ہدایت، علم، نصرت وغیرہ کے عنوان سے ذکر کیے گئے ہیں۔ انسانی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ حق و باطل کی شناخت، اچھے اور برے، نیک و بد، دوست و دشمن، سعادت و شقاوت، خوشبختی و بد بختی کے عوامل کی شناخت و پہچان ہے، اگر انسان ان حقیقتوں تک رسائی حاصل کرلے تو بہت ہی تیزی اور آسانی سے اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ اس آیت میں قابل اہمیت نکتہ یہ ہے کہ انسان کے اعمال اور معاشرہ، اس کے افکار و ادراکات پر گہرا اثر ڈالتے ہیں۔ جب کوئی شخص اور معاشرہ تقویٰ الٰہی اختیار کرتا ہے تو خداوند اسے ایک خاص بصیرت عطا کردیتا ہے کہ جو اسے زندگی گزارنے میں فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ ایسا شخص اپنے آپ کو لغزشوں اور کوتاہیوں سے محفوظ رکھتے ہوئے بہترین راستے کا انتخاب کرتا ہے۔

اہل تقوی حق و باطل کی شناخت کے ساتھ ساتھ بہت آسانی سے شیطانی وسوسوں کو پرکھ لیتے اور اپنے دامن کو ان سے محفوظ کرلیتے ہیں، نیز چشم بصیرت کے ذریعہ حقیقت تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور شیطانی ہتھکنڈوں سے خود چھڑا لیتے ہیں: «إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذا مَسَّهُمْ طائِفٌ مِنَ الشَّيْطانِ تَذَكَّرُوا فَإِذا هُمْ مُبْصِرُونَ» (اعراف، ۲۰۱) ۔ ایک با بصیرت اور الٰہی اقدار کی حامل قوم، معاشرے میں بیداری کی راہوں کو ہموار کرتی ہے۔

۲۔ استقامت:

بیداری کے ایجاد، پائیداری اور اس کی حفاظت کی ایک شرط، اپنے ہدف تک رسائی کے لئے استقامت کرنا ہے۔ اگر کسی قوم میں مقاومت و استقامت نہ ہو تو اسے بیدار قوم نہیں کہا جا سکتا۔ قرآن کریم میں بھی کامیابی کے حصول کے لئے قوم و رہبر کی استقامت پر بہت زور دیا ہے۔ علاقائی متاثر کن فتوحات اور ان کٹھ پتلی آمروں کا تختہ الٹنا، رہبر اور قوم کی استقامت کا ثمر و نتیجہ ہے۔

استقامت قوم سے لیا گیا ہے کہ جو اعتدال کے معنی میں ہے (ابن منظور، لسان العرب، ج ۱۲، ص ۴۹۶) ۔ انسان کا اس کی راہ کے ساتھ مستلزم ہونا استقامت کہلاتا ہے (طریحی، مجمع البحرین، ج ۶، ص ۱۴۲) ۔ راغب کے بقول: کلمہ استقامت ایک ایسے راستے کے لئے بولا جاتا ہے کہ جو ایک سیدھے اور خاص طریقے پر بنا ہو۔ نیز حق کے راستے کو بھی اس سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جیسے: اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ»، انسان کا اپنے راستے پر ثابت قدم رہنا اس کی استقامت ہے (اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص ۶۹۰) ۔

قرآن کریم میں بھی خداوند عالم نے سب سے پہلے رہبر کو استقامت کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیا ہے («وَ

اسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَهُمْ» (شوری، ۱۵) ۔ امت میں استقامت کا دوام اسی وقت ممکن ہے کہ جب رہبر میں استقامت موجود ہو: «فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا» (ہود، ۱۱۲) ۔ قرآن مجید کی نگاہ میں صرف رہبر کی استقامت کافی نہیں بلکہ رہبر کے ساتھ ایک امت و قوم کی استقامت بھی ضروری ہے۔ استقامت ایک بہت سخت مرحلہ ہے (ثعالبی، جواہر الحسان فی تفسیر القرآن، ج۵، ص۱۵۳؛ آلوسی، روح المعانی، ج۶، ص۱۹۰) ۔ ہر وہ شخص کہ جو دوسروں کو استقامت کے لئے کھڑا کر سکے اس کی ذمہ داری ہے کہ اس کام کو انجام دے۔ روایت میں ملتا ہے کہ سخت ترین آیت جو پیغمبر اسلام پر نازل ہوئی یہی آیت تھی۔ جیسا کہ روایت میں ہے کہ جب اصحاب پیغمبر نے آپ سے پوچھا کہ آپ کے بال اتنی جلدی کیسے سفید ہوئے اور کیسے اتنی جلدی بڑھاپے کے آثار نمودار ہوئے؟ تو آپ نے فرمایا: مجھے سورہ ھود اور واقعہ نے بوڑھا کر دیا! «قال لاصحابہ حین قالوالہ اسرع الیک الشیب یا رسول اللہ! شیبتنی ہود والواقعہ» (طبرسی، مجمع البیان، ج۵، ص۳۰۴) بعض اہل سنت منابع میں «شیبتنی ہود واخواتہا»، کا جملہ آیا ہے (فخر رازی، مفاتیح الغیب، ج ۱۸، ص۴۰۶؛ بغوی، معالم التنزیل، ج۲، ص۴۷۳) ۔

استقامت وہ عظیم ذمہ داری ہے کہ جو الہی رہبروں کے کندھوں کو جھکا دیتی ہے، استقامت سے متعلق آیت کے نازل ہونے کے بعد کسی نے پیغمبر اکرم کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا (سیوطی، الدر المنثور، ج۳، ص۳۵۱؛ طنطاوی، التفسیر الوسیط للقرآن الکریم، ج۷، ص۲۸۵) ۔

تفسیر نمونہ میں اس آیت کے ذیل میں پیغمبر اسلام کے بوڑھے ہونے کی ۴ علتیں ذکر کی گئی ہیں (مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، ج۹، ص۲۵۹) ۔ اگر امام اور امت دونوں استقامت کا مظاہرہ کریں تو معاشرے میں امنیت بحال ہوتی ہے اور روانی لحاظ سے بھی معاشرہ بیداری کے حصول کے لئے آمادہ ہوتا ہے («اِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ اَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ» (فصلت، ۳۰) ۔ اگر مقاومت ایمان اور ہدف کے تحت ہو تو اس کی بہت اہمیت ہے: «اِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ» (احقاف: ۴۶، ۱۳).

روایات میں بھی اس پر بہت زور دیا گیا ہے (طبرسی، مجمع البیان، ج۹، ص۱۷) ۔ استقامت اچھی اور خوشگوار زندگی کے حصول اور معاشرے میں مثبت بیداری کے ایجاد کا ذریعہ ہے: «وَاَلَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَاَسْقَيْنَاهُمْ مَاءً غَدَقًا» (جن، ۱۶) ۔ بہت سے شیعہ (طبرسی، مجمع البیان، ج۱۰، ص۵۵۹؛ شیرازی، تبیین

القرآن، ص۵۹۰؛ تفسیر الکاشف، ج۷، ص۴۳۹) اور اہل سنت (مراغی، تفسیر المراغی، ج۲۹، ص۱۰۱؛ مظہری، التفسیر المظہری، ج۱۰، ص۹۰) مفسروں نے اس آیت میں ذکر شدہ استقامت سے متعلق احکامات کو جن وانس دونوں گروہوں سے مربوط قرار دیا ہے۔ «مَّاءً غَدَقًا» کے بارے میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں۔ بعض لغت شناسوں نے غدق کو چشمہ گوارا کے معنی میں لیا ہے) طریحی، مجمع البحرین، ج۵، ص۲۲۱ (؛ اور بعض دیگر نے بارش کے پانی کی کثرت کے معنی میں) ابن منظور، لسان العرب، ج۱۰، ص۲۸۲ (؛ غرض یہ کہ غدق پانی کی فراوانی (اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص۶۰۳) اور زیادتی کے معنی میں ہے (مصطفوی، التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، ج۷، ص۱۹۷) ۔ بعض مفسرین نے اس کے اور بھی مختلف معنی ذکر کئے ہیں جیسے: آسمان سے بارش کی کثرت (بلخی، تفسیر مقاتل بن سلیمان، ج۴، ص۴۶۴؛ محلّی/ سیوطی، تفسیر الجلالین، ص۵۷۶)؛ پانی کی کثرت (زحیلی، التفسیر المنیر، ج۲۹، ص۱۷۱؛ مظہری، التفسیر المظہری، ج۱۰، ص۹۰)؛ رزق کی کثرت (دمشقی ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ج۸، ص۲۵۵؛ سمرقندی، بحر العلوم، ج۳، ص۵۰۶)؛ اور بعض نے مطلقاً کثرت و فراوانی کے معنی میں لیا ہے (مصطفوی، تفسیر روشن، ج۱۶، ص۱۸۹)؛ بعض شیعہ تفسیری کتب میں اس آیت کی تفسیر میں آیا ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: اگر لوگ امام علی علیہ السلام اور ان کے اوصیاء کرام کی ولایت پر استقامت کے ساتھ کھڑے ہوتے اور اوامر و نواہی میں ان کی اطاعت کرتے تو ہم انہیں کثیر پانی سے سیراب کرتے یعنی ان کے دلوں کو ایمان سے لبریز کر دیتے (کلینی، الکافی، ج۱، ص۲۲۰) ۔

امام صادق علیہ السلام اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ہم انہیں علم کثیر عطا کرتے ہیں کہ جو وہ آئمہ اطہار سے لیتے ہیں (طبرسی، مجمع البیان، ج۱۰، ص۵۶۰؛ حویزی، تفسیر نور الثقلین، ج۵، ص۴۳۹) ۔

اصل میں یہ تمام معنی ان الٰہی مادی و معنوی نعمتوں کی کثرت و فراوانی پر قرینہ ہیں کہ جو خداوند مومن و مقاوم رہبر و ملت پر نازل کرتا ہے۔ یہ رحمت کبھی پانی کی شکل میں ہے تو کبھی ایمان و علم کی صورت میں۔ کیونکہ پانی، زندگی کی بقاء و استمرار کا سبب ہے، رزق و روزی میں وسعت اور دوسری بہت سی نعمتوں کی فراوانی کا باعث ہے۔

3۔ صبر:

رہبر اور ملت دونوں کو چاہیئے کہ زندگی کی ناخوشگواریوں اور تلخیوں کے مقابلہ میں صبر سے کام لیں۔

فراھیدی صبر کو جزع کا مخالف شمار کرتے ہیں (کتاب العین، ج۷، ص۱۱۵) ۔ابن منظور بھی فراھیدی کے نظریہ کو قبول کرتے ہیں (لسان العرب، ج۴، ص۴۳۸) ۔ طریحی کی نگاہ میں صبر جزع کے اظہار سے اپنے نفس کو روکنا، صبر ہے (مجمع البحرین، ج۳، ص۳۵۸) ۔

راغب اصفہانی صبر کو، زندگی کی مشکلات و پریشانیوں کے مقابل میں تحمل و بردباری سے کام لینے کے معنی میں ذکر کرتا ہے (المفردات فی غریب القرآن، ص۴۷۴) ۔اس کے بعد کہتا ہے کہ اپنے نفس کو ان تمام چیزوں سے کہ جن کا عقل و شرع حکم دیتے ہیں محفوظ رکھنا صبر ہے۔ نیز صبر کو ایک عام معنی میں لیتا ہے کہ جس مے مختلف مصادیق ہیں (مصطفوی، التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، ج٦، ص۱۸۱) ۔

اس بناپر حال حاضر کے بعض علماء صبر کی اس طرح تعریف کرتے ہیں: اضطراب و پریشانی کے مقابل میں اپنے نفس کو کنترل کرنا اور سکون و اطمینان کی حفاظت کرنا صبر ہے۔

قرآن کریم، دشمن کے مقابل میں صبر کو کامیابی کے حصول کی شرط قرار دیتا ہے۔ سورہ انفال کی ٦۵ ویں آیت جنگ بدر سے پہلے نازل ہوئی (بلخی، تفسیر مقاتل بن سلیمان، ج۲، ص۱۲۴؛ محمد بن طاہر ابن عاشور، التحریر والتنویر، ج۹، ص۴۵.) ۔ایمان و صبر کے ذریعہ سے جنگ کے دونوں طرف مقابل معین ہوتے ہیں نہ مادی قدرت کے ذریعہ ! اگر ایمان کے ساتھ صبر ہو تو معاشرے میں بیداری اور تبدیلی کے لئے زمینہ فراہم ہوتا ہے («يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا» (انفال، ۸، ٦۵)

قرآن مجید بنی اسرائیل کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے کہ انھوں نے اپنے صبر اور پائیداری کی بنیاد پر فرعونیوں پر فتح حاصل کی اور کل کے غلام آج کے مالکوں میں تبدیل ہوئے، انھوں نے اپنی قسمت خود اپنے ہاتھوں تبدیل کی، «وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا» (اعراف، ۷، ۱۳۷) . یہ صبر ہی کا نتیجہ تھا کہ فرعونیت کا بازار بند ہوا اور ایک نیا تمدن اس پر غالب آگیا۔ اہل سنت (مظہری، التفسیر المظہری، ج۳، ص۴۰۰؛ قاسمی، محاسن التأویل، ج ۵، ص۱۷۴) و شیعہ (لاہیجی، تفسیر شریف لاہیجی، ج۲، ص۸۴؛ حویزی، التفسیر لکتاب اللہ المنیر، ج۳، ص۳۴۳) مفسران کے مطابق صبر ہی کے سبب وہ مشرق و مغرب کی زمین کے مالک بنے۔

صبر انسان کی معاشرتی زندگی میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے اور معاشرے کی تقدیر میں ماورائے طبیعت

تاثیر ڈالتا ہے: «وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ» (سجدہ: ۲۴) ۔ صبر اور یقین انسان کو رہبریت کی سرحد تک لے جاتا ہے (شوکانی، فتح القدیر، ج۴، ص۲۹۷؛ بیضاوی، انوار التنزیل و اسرار التأویل، ج۴، ص۲۲۳) اور لوگوں کو رہبر کی اطاعت کے لئے زمینہ فراہم کرتا ہے (طنطاوی، التفسیر الوسیط للقرآن الکریم، ج۱۱، ص۱۵۶) تاکہ رہبر باآسانی معاشرے کے امور کو سنبھال سکے (طبری، جامع البیان ج۲۱، ص۱۷) ۔ اسی طرح معاشرے میں مثبت تبدیلیوں کے لئے زمینہ فراہم کرتا ہے (فخر رازی، مفاتیح الغیب، ج۷، ص۱۶۶؛ شیرازی، تقریب القرآن إلی الأذہان، ج۴، ص۲۹۷) ۔

۴۔ توفیق الٰہی:

معاشرے میں بیداری ایجاد کرنے کی ایک اہم شرط توفیق خداوند ہے کہ جس سے اکثر لوگ غافل ہیں۔ یہ ایک ایسی اصل ہے کہ جو انسان کے تمام اعمال اور اس کے رفتار و کردار پر حاکم ہے۔ بیداری خداوند عالم کی مخصوص عنایات میں سے ہے کہ جس کا حصول توفیق پروردگار کے بغیر ناممکن ہے۔ رہبر اور ملت توفیق پروردگار عالم کے سبب معاشرے میں بیداری کو ایجاد کرتے ہیں۔ توفیق کے مختلف معنی بیان کیے گئے ہیں؛ جیسے کسی اچھے کام کے لئے اسباب کا فراہم کرنا، توفیق کہلاتا ہے (طریحی، مجمع البحرین، ج۵، ص۲۴۷) ۔ توفیق، وفق سے فلس کے وزن پر ہے کہ جس کے معنی ۲ یا ۲ سے زیادہ چیزوں کے درمیان موافقت ایجاد کرنے کے ہیں (قرشی، قاموس قرآن، ج۷، ص۲۲۹) ۔ اس جہت سے توفیق اصلاح کے معنی میں بھی لیا گیا ہے۔ وفق، دو چیزوں کے درمیان مطابقت اور توفیق انسان کے امور کا تقدیر) امر خیر ہو یا شر (کے مطابق ہونے کے معنی میں ہے، لیکن عرف میں فقط امور خیر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے (راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، ص۸۷۷) ۔ لغت نگاروں کے اقوال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ توفیق، کسی بھی کام کو انجام دینے کے لئے اسباب کی فراہمی کا نام ہے کہ جو دو چیزوں کے درمیان موافقت کی صورت میں حاصل ہوتی ہے۔ بعض مفسرین قرآن نے توفیق کے کچھ اس طرح معنی کئے ہیں:

توفیق سے مراد وہ لطف ہے کہ جس کے سبب مکلّف اپنے اختیار سے اطاعت پروردگار کو انجام دیتا ہے اور یہ عمل علم خداوند عالم کے مطابق ہے (طوسی، التبیان فی تفسیر القرآن، ج۶، ص۵۱) ۔ یعنی کسی ہدف تک رسائی کے لئے اسباب کی فراہمی اور رکاوٹوں کا برطرف ہونا، توفیق کہلاتا ہے۔ علامہ؛ خداوند عالم کی جانب سے سعادت کے اسباب کی فراہمی کو توفیق شمار کرتے ہیں (طباطبائی، المیزان، ج۱۰، ص۵۵۲) ۔

بعض دیگر انسان کی فکر و عمل کو خداوند عالم کی اطاعت و عبادات کے موافق قرار دینے اور اطاعت کے لئے اسباب و مقدمات کی فراہمی کو توفیق شمار کرتے ہیں (مصطفوی، تفسیر روشن، ج۱۱، ص۲۸۵) ۔ بعض قائل ہیں کہ خیر مطلوب تک رسائی کے لئے اسباب کا مہیا ہونا توفیق ہے (مظہری، التفسیر المظہری، ج۵، ص۱۱۱) ۔ بعض دیگر کے مطابق؛ انسان کے ارادہ کا خداوند عالم کے ارادہ سے مطابقت رکھنا توفیق ہے (نیشابوری، تفسیر غرائب القرآن، ج۴، ص۴۵) ۔ بندہ میں اطاعت کی قدرت اور راہ خیر کو آسان کرنا توفیق ہے (بغوی، معالم التنزیل، ج۲، ص۴۶۲) ۔

مفسران قرآن میں سے ہر ایک نے توفیق کے ایک خاص معنی کی جانب اشارہ کیا ہے۔ قابل غور نکتہ کہ جس کی جانب نہ لغت میں اور نہ ہی مفسران کے اقوال میں اشارہ ہوا، وہ نکتہ «توفیق من اللہ» ہے۔ توفیق من اللہ یعنی خداوند عالم کی جانب سے خیر و سعادت کے اسباب کی فراہمی اور بندہ کے ارادہ کا خدا کے ارادہ سے مطابقت کا نام توفیق ہے۔ امام صادق علیہ السلام سورہ ھود کی ۸۸ ویں آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: «إِذَا فَعَلَ الْعَبْدُ مَا أَمَرَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهِ مِنَ الطَّاعَةِ كَانَ فِعْلُهُ وِفْقاً لِأَمْرِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَ سُمِّيَ الْعَبْدُ بِهِ مُوَفَّقاً وَإِذَا أَرَادَ الْعَبْدُ أَنْ يَدْخُلَ فِي شَيْءٍ مِنْ مَعَاصِي اللَّهِ فَحَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى بَيْنَهُ وَ بَيْنَ تِلْكَ الْمَعْصِيَةِ فَتَرَكَهَا كَانَ تَرْكُهُ لَهَا بِتَوْفِيقِ اللَّهِ تَعَالَى» (شیخ صدوق، التوحید، ص۲۴۲) ۔

برائیوں سے دوری اختیار کرنا خداوند عالم کی جانب سے توفیق ہے۔ معمولا عرف میں توفیق کا لفظ نیک کاموں پر اطلاق ہوتا ہے لیکن اس حدیث کی بناپر گناہ و معصیت سے دوری بھی توفیق کہلاتا ہے۔ توفیق خداوند عالم کی صفات افعال میں سے ہے۔ انسان تمام اچھے کاموں کی انجام دہی کیلئے بعض شرائط و امکانات کا محتاج ہے کہ جن میں سے کچھ انسان کے اختیار سے باہر ہیں لیکن پروردگار عالم اپنے لطف و کرم اور فضل و بخشش کی بناپر ہر شخص کو اس کے ایمانی تقاضوں کے مطابق ان شرائط کو فراہم کرتا ہے تاکہ انسان باآسانی اس عمل خیر کو انجام دے سکے۔

اسی طرح انسان میں بہت سی برائیوں کو خود سے دور کرنے کی قدرت و طاقت نہیں کیونکہ بہت سے امور انسان کے لئے واضح و آشکار نہیں، خداوند عالم اپنے خاص لطف و کرم کی بدولت انسان کو ان امور سے چھٹکارا عطا کرتا ہے، اصل میں یہ دونوں کام خداوند عالم کی جانب سے توفیق کی صورت میں ہوتے ہیں۔ کسی نیک کام کو انجام دینے یا برائیوں سے اجتناب کے لئے خداوند عالم کے ارادہ اور تائید کی ضرورت ہے کہ جو ظاہری و باطنی

اسباب کی فراہمی کی صورت میں انسان کے شامل حال ہوتی ہے۔ اسی طرح ملت و قوم میں بیداری ایجاد کرنے کے لئے رہبر کو بھی خداوند عالم کی جانب سے توفیق کی ضرورت ہے۔ اگر یہ توفیق رہبر کے شامل حال ہو جائے تو معاشرے کا تکامل کی جانب سفر کا راستہ ہموار ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں حضرت شعیب علیہ السلام کی زبانی اس توفیق کو خدا کی جانب نسبت دی گئی ہے۔ جناب شعیب علیہ السلام لوگوں کی اصلاح اور نہی عن المنکر کی شرط توفیق کو قرار دیتے ہیں: «وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَاكُمْ عَنْهُ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ» (ہود: ۱۱، ۸۸،)۔ توفیق اس وقت حاصل ہوتی ہے کہ جب بندہ اچھے کاموں کی انجام دہی یا برے کاموں کے ترک کرنے کا ارادہ کرتا ہے: «إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا» (نساء، ۳۵) ۔ توفیق کے حصول میں ارادہ کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ آیت زوجین کے درمیان اصلاح کی اہم ترین شرط حکمین کے ارادہ کو قرار دیتی ہے۔ اور شرط کی عدم موجودگی باعث بنتی ہے کہ جزاء محقق نہ ہو۔ اگر بندہ کا ارادہ امور کی اصلاح ہو تو توفیق پروردگار عالم اس کے شامل حال ہو جاتی ہے۔ غرض یہ کہ تمام کاموں کی انجام دہی میں اہم ترین شرط توفیق ہے۔

ب) بیداری اسلامی میں رہبر کا کردار

رہبر معاشرے کو کمال کی جانب لے جانے میں اہم ترین کردار ادا کرتا ہے۔ اگر کسی معاشرے کا رہبر، رہبری کی شرائط سے عاری ہو تو ایسا معاشرہ ترقی کے بجائے زوال کا شکار ہو جائے گا۔ قرآن مجید میں دونوں قسم کے رہبروں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ اچھے اور صالح رہبر ہمیشہ ملت و قوم کی نجات کا ذریعہ ہوتے ہیں لہٰذا قرآن نمونہ کے طور پر حضرت نوح، ھود «وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَنَجَّيْنَاهُمْ مِنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ» (ہود، ۵۸)، صالح: «فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ» (ہود، ۶۶)، شعیب «نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ» (ہود، ۹۴)، موسی اور ہارون علیہما السلام کے نام ذکر (صافات، ۱۱۴ _ ۱۱۵) کرتا ہے کہ جو اپنی قوم کی نجات کا باعث بنے۔

برے رہبروں کے کردار و اثرات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے، «وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا» (احزاب، ۶۷)، یہ آیت واضح طور پر بیان کر رہی ہے کہ قیامت کے دن قومیں اپنے سرداروں کی شکایت کریں گی کہ ان کی وجہ سے وہ اس بد بختی میں مبتلا ہوئے اور دنیا میں پلٹنے کی خواہش کریں

گے تاکہ ان رہبروں سے انتقام لے سکیں! اور ان سے اپنی برائت اور بےزاری کا اظہار کر سکیں: «وَ قالَ الَّذِینَ اتَّبَعُوا لَوْ اَنَّ لَنا کَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ کَما تَبَرَّؤُا مِنَّا» (بقرہ، ۱۶۷).

آج قوموں کی تقدیر دنیا کے بدترین افراد کے ہاتھوں میں ہے۔ فرعون صفت افراد ہر زمانے میں قوموں کی سرکوبی کے لئے ہر وہ کام جو ان کے بس میں ہو انجام دیتے ہیں۔ البتہ آج کل کے فرعون اس زمانے کے فرعون سے بھی گئے گزرے ہیں کیونکہ اُس زمانے کے فرعون نے فقط بنی اسرائیل کی اولاد کو قتل کیا تھا اور آج کے فرعون تمام ملتوں چاہے بڑے ہوں یا بچے، مرد ہو یا عورت، سب کو اس دنیا سے ختم کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح کے حالات میں وقت کے موسی کا کردار اور زیادہ واضح و نمایان ہو جاتا ہے: «وَلَقَدْ اَرْسَلْنا مُوسی بِآیاتِنا اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَکَ مِنَ الظُّلُماتِ اِلَی النُّورِ وَ ذَکِّرْهُمْ بِاَیّامِ اللّهِ اِنَّ فی ذلِکَ لَآیاتٍ لِکُلِّ صَبّارٍ شَکُورٍ» (إبراہیم، ۵) ۔ فرعونیوں کے ظلم سے رہائی کا واحد راستہ وقت کے موسی کے ساتھ دینے میں اور اس کے ساتھ وفاداری میں مضمر ہے۔ آج زمانہ، بیداری کی جانب گامزن ہے۔ قومیں اپنے حکمرانوں کے افکار سے بخوبی آگاہ ہیں البتہ آج بھی بہت سے ممالک ایسے ہیں کہ جن میں ان حکمرانوں سے متعلق پہچان کے باوجود عوام کو ان سے رہائی اور نجات کا راستہ نہیں معلوم کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟

ان حالات میں رہبر کی ضرورت اور زیادہ نمایان ہو کر سامنے آتی ہے۔ ایک ایسا رہبر و نمائندہ جو بیداری کی روح کو قوموں میں پھونک سکے اور تمام فاسد نظاموں کو ہٹا کر ایک الہی نظام کا نفاذ کرے جو پوری قوم کے لئے یقینا نجات کا ذریعہ ہے۔

قرآن مجید میں بھی بعض الہی نمائندوں کا ذکر موجود ہے کہ جنہوں نے تاریخ کے بڑے بڑے انقلاب برپا کیے! انہی میں سے ایک پیغمبر اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات ہے کہ جنہیں قرآن تمام انسانوں کے لئے اسوہ حسنہ کے عنوان سے پہچنواتا ہے: «لَقَدْ کانَ لَکُمْ فی رَسُولِ اللّهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ» (احزاب، ۲۱).

آنحضرت ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کریں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ نے کس طرح لوگوں اور معاشرے میں تبدیلیاں ایجاد کیں۔ مثلا اس وقت کا حکومتی نظام قبیلگی تھا، زورآور کی بات حق مانی جاتی، جس کے پاس جتنا زور اتنی ہی اس کی حکمرانی۔ بعض مغربی روشن فکر افراد معاشرے کے متعلق اسی نظریہ کے قائل ہیں (لاور، دیدگاہہایی دربارہ دگرگونی اجتماعی، ص۴۷) ۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے اس سیسٹم کو کلی طور پر تبدیل کیا اور لوگوں کو ایک نئے عدالت پر مبنی نظام سے آشنا کرایا۔ ثقافتی نظام میں تبدیلیاں لائے۔ ایک روایت

میں امام علی علیہ السلام اس زمانے کی توصیف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: خداوند عالم نے پیغمبر کو رسالت پر مبعوث کیا تاکہ لوگوں کو ڈرائے، اور آیات خداوندی کے امین ہو، حالانکہ تم لوگ بدترین دین اور بدترین آئین کے حامی تھے، بدترین زمین پر زندگی گزارتے تھے، کہ جو بڑے بڑے پتھروں اور بہرے سانپوں سے بھری ہوئی تھی، گندا پانی پیتے اور عجیب و غریب قسم کے کھانے کھاتے تھے، قتل و غارتگری اور قطع رحمی کرتے تھے۔ صرف اور صرف بت پرستی تمہارے آئین کا حصہ تھی اور تمہارا پورا وجود گناہوں سے شرابور تھا (عبدہ، شرح نہج البلاغہ، ص۶۷) ۔

امام علی علیہ السلام نے در اصل دو مختلف ثقافتوں (جو اسلام سے پہلے اور بعد) کے درمیان مقایسہ کیا ہے۔ زمان جاہلیت میں اقدار کی اضداد جیسے: قتل، قطع رحمی، بدترین آئین اور بدترین حالات میں زندگی گزارنا اخلاقی اقدار میں سے شمار ہوتی تھیں۔ ایسے معاشرے میں الہی نمائندوں نے الہی قانون (قرآن) کے ساتھ ایک معاشرتی انقلاب برپا کیا۔ اور دین و آئین کے لحاظ سے بہترین دین اسلام کی شکل میں لیکر آئے «إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلامُ» (آل عمران، ۱۹) ۔ ایک ایسا دین کہ جو انسانوں کی دنیوی و اخروی سعادت کی ضمانت دیتا ہے۔ انسانی اقدار کو زندہ کیا اور تمام منحرف ادیان پر خط بطلان کھینچا: «وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلامِ دِيناً فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخاسِرِينَ» (آل عمران، ۸۵) ۔

دین اسلام نے عرب کے اس جاہل معاشرے میں بنیادی تبدیلیاں اور حقیقی بیداری ایجاد کی اور انہیں پتھروں اور لکڑیوں کی پرستش سے رہائی بخشی: «أَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ما لا يَنْفَعُكُمْ شَيْئاً وَلا يَضُرُّكُمْ» (انبیاء، ۶۶) ۔ اور اس جاہل معاشرے کو بت پرستی سے خدا پرستی کی جانب لائے۔ اولاد کا قتل کہ جو معاشرے کی ثقافت کا حصہ بن چکا تھا کو تبدیل کیا اور ناحق قتل کو حرام قرار دیا گیا۔ دو متخاصم قبیلہ اوس و خزرج کہ جن کے درمیان نسل در نسل تیرہ سے زیادہ جنگیں ہو چکی تھیں (مرکز فرہنگ و معارف قرآن، دائرہ المعارف قرآن کریم، ج۵، ص۴۸)، کو انصار کا لقب دیا۔ مکہ میں قریش کو مہاجرین کا لقب دیا اور دونوں قبیلوں یعنی مہاجرین و انصار کو اخوت کے رشتہ میں باندھا (ابن حبیب، المحبر، ص۷۱؛ ابن قتیبۃ، المعارف، ص۱۷؛ محمد بن سید الناس، عیون الاثر، ج۱، ص۲۳۰) ۔

اس سے پہلے مکہ میں خود مہاجرین کے درمیان عقد مواخات جاری کیا (ابن کثیر دمشقی، البدایۃ و النہایۃ، ج۳، ص۲۲۶) ۔ اس طرح ان دو سرزمینوں کو قبیلگی نظام سے نکال کر ایک نئے اسلامی نظام میں ڈھالا۔ قبیلہ

قبیلہ کے محدود رشتوں کو نئے اور وسیع رشتے بنام اخوت میں تبدیل کیا۔ اوس خزرج کہ جن میں سالوں سے دشمنی چلتی آرہی تھی خداوند عالم نے اس دشمنی کو محبت و الفت میں تبدیل کیا: «وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ ما فِی الْاَرْضِ جَمِیعاً ما اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوبِهِمْ وَلکِنَّ اللَّهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ اِنَّهُ عَزِیزٌ حَکِیمٌ» (انفال، ۶۳) اور ایسی الفت ان میں قائم کی کہ انہوں نے اپنے تمام اثاثوں کو مہاجرین کے لئے پیش کر دیا، مہاجرین کو نہ صرف اپنے گھروں میں جگہ دی بلکہ جنگی غنائم میں سے بھی اپنے حصہ سے ہاتھ اٹھا کر انہیں دیا (واقدی، المغازی، ج۱، ص۳۷۹) ۔ معاشرے کی کچھ اس طرح ہدایت کی کہ معاشرہ تیزی کے ساتھ تکامل کی جانب حرکت کرنے لگا۔ اسی طرح قبیلگی نظام کی جگہ جہانی نظام کو قائم کیا کہ جس کی بنیاد دو رکن اساسی؛ ہدایت و حق پر استوار تھی۔ اس نظام کے نہائی ہدف کو باطل پر حق کے غلبہ کے عنوان سے پہچنوایا گیا ہے: «هُوَ الَّذی اَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدی وَدینِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهُ عَلَی الدِّینِ کُلِّهِ» (توبہ، ۳۳؛ فتح: ۲۸؛ صف، ۹) ۔ جب تک دین اپنی کثافتوں سے پاک ہو کر خالص نہ ہو جائے «وَ قاتِلُوهُمْ حَتّی لا تَکُونَ فِتْنَةٌ وَیَکُونَ الدِّینُ کُلُّهُ لِلّهِ» (انفال، ۳۹) اسلام کا نہائی ہدف (معاشرے کا کمال کی جانب حرکت کرنا) محقق نہیں ہو سکتا۔ رہبر واقعی معاشرے کو نہ صرف معنوی لحاظ سے بلکہ مادیات کے لحاظ سے بھی ترقی کی راہ پر گامزن کرتا ہے: «وَاَوْرَثَکُمْ اَرْضَهُمْ وَدِیارَهُمْ وَاَمْوالَهُمْ وَاَرْضاً لَمْ تَطَؤُها» (احزاب، ۲۷) ۔

پیر نہ پڑی زمین سے کیا مراد ہے؟ اس معاملہ میں مفسران کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض «وَ اَرْضاً لَمْ تَطَؤُها» کو روم، بعض زمین فارس اور تا قیامت ہونے والی فتوحات کے معنی میں لیا ہے (فخر رازی، مفاتیح الغیب، ج۲۵، ص۱۶۵) ۔ جبکہ بعض مفسران نے اس سے سرزمین خیبر مراد لی ہے (فراء، معانی القرآن، ج۲، ص۳۴۱) ۔ پیغمبر اکرم کے زمانے کا معاشرہ سیاسی لحاظ سے تکامل کو پہنچا۔ آپ نے لوگوں کو ایک ایسے سیاسی معاشرتی نظام سے پہچنوایا کہ جو الہی اقدار اور توحیدی بنیادوں پر قائم تھا۔ اور اس کی اہم ترین دلیل پیغمبر اسلام کا اس دور کے بادشاہوں اور بڑی بڑی شخصیات کو خط لکھ کر اسلام کی دعوت دینا ہے (ابن اثیر، الکامل، ج۲، ص۲۱۰) ۔ آپ نے ایسا انقلاب برپا کیا کہ وہ افراد کہ جو قبیلہ سے آگے سوچتے ہی نہیں تھے اب جہانی و آفاقی نظام کے طلبگار تھے۔ اس قسم کی تبدیلی و تحول اچھے اور صالح رہبر کے بغیر ممکن نہیں۔ اگر رہبر صالح ہو تو امت صالح وجود میں آتی ہے اور نتیجۃ معاشرہ ترقی اور کمال کی جانب بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور اگر رہبر صالح نہ ہو تو معاشرے اپنی راہ سے منحرف ہو کر تنزل کی جانب حرکت کرتا اور آخر میں سقوط کر جاتا ہے۔

بالکل اسی طرح کہ جیسے نبی اکرم کی رحلت کے بعد ہوا (ابن قتیبۃ الدینوری، الإمامۃ والسیاسۃ ج، ص ۲۳) ۔

حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے بقول ان تمام گرفتاریوں اور پریشانیوں کی اصل علت، امت کا اہل بیت کی رہبری کو قبول نہ کرنا ہے: «إیا و اللہ لو ترکوا الحق علی إہلہ و اتبعوا عترۃ نبیہ لما اختلف فی اللہ تعالی اثنان... الحسین» (قمی، کفایۃ الاثر، ص۱۹۹) ۔ رہبر اور رہبریت وہ اساس، ہے جو معاشرے کو تازگی بخشتی اور مادی و معنوی نعمتوں کی فراوانی نیز رضایت خداوندی کا سبب بنتی ہے۔ بیداری اور تبدیلیاں ایجاد کرنے والی مشین کا اصل پہیہ، صالح رہبر ہے کہ جو امت اور معاشرے کو بیدار اور متحرک رکھتا ہے۔ آج کے اسلامی اور غیر اسلامی ممالک کی اہم ترین اور اصلی ترین مشکل یہی ہے۔ عوام تقریبا بیدار ہو چکی ہے لیکن ایک جامع الشرائط رہبر نہیں ملتا کہ جو ان تمام مسائل کی ڈور اپنے ہاتھوں میں لے۔ آج کے بہت سے علاقائی انقلاب، انقلاب اسلامی ایران کو نمونہ بنا کر وجود میں آئے۔ وہ انقلاب کہ جس کے بارے میں امام خمینی ہمیشہ گفتگو کیا کرتے تھے وجود میں آ گیا۔ ہم آج مختلف معاشروں) اسلامی و غیر اسلامی (کی بیداری کے گواہ ہیں۔ آج کے معاشرے میں قوموں کی اصل ضرورت امام خمینی جیسے ایک قوی رہبر کی ہے کہ جو انہیں ظالم و جابر اور ڈیکٹیٹر حکمرانوں سے نجات دلائے۔ انقلاب اسلامی ایران امام خمینی کی رہبری اور لوگوں کی جانفشانی نیز شیعہ علماء کی طولانی مقاومت کا مرہون منت ہے (نرگسی، تبیین جامعہ شناختی، انقلاب مشروطہ، ص۲۴۹) ۔

اس انقلاب نے نہ صرف مغرب کے فکری نظام کو تبدیل کیا بلکہ بہت سے مغرب متفکر اس انقلاب کو سمجھنے سے عاجز رہ گئے۔ ہنری کسینجر امریکی وزیر اعظم کا مشاور کہتا ہے: «آیہ اللہ خمینی نے مغرب کو بہت خطرناک بحران میں مبتلا کر دیا۔ ان کے فیصلہ اس قدر تیزی اور ہوشیاری کے ساتھ ہوتے کہ بڑے بڑے سیاست دان اور نظریہ پرداز افراد بھی دنگ رہ جاتے۔ کوئی بھی ان کے آگے کے ارادوں کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا، وہ کچھ خاص معیارات کے ساتھ کہ جو غیر عادی تھے، دنیا کے ساتھ گفتگو کرتے اور عمل کرتے تھے۔ گویا ان پر الہام نازل ہوتا تھا، امام خمینی کی مغرب سے دشمنی بھی تعلیمات الہی کا نتیجہ تھی حتی وہ دشمنی میں بھی خلوص نیت سے کام لیتے تھے» (حاجتی، عصر امام خمینی، ص۳۶) ۔

آخر کیوں غرب اس انقلاب کے ادراک سے عاجز رہا؟

مولانا حمید کہتے ہیں: «تعجب نہیں کہ کچھ افراد کے لئے اس انقلاب کی کامیابی کی اصل علت مجہول اور پوشیدہ رہی ہو کہ جو انقلاب اسلامی کے معنوی پہلو سے بے خبر تھے اور ہمیشہ جغرافیائی، سیاسی اور اقتصادی

معیارات کی روشنی میں اس کا تجزیہ و تحلیل کرتے رہے» (روزنامہ کیہان ۷۵/۱۱/۱۸ ۱۳ش) ۔

کمبرج یونیورسٹی کے مشہور و معروف استاد تدا اسکاچ پل کہ جو فرانس، روس اور چین کے انقلاب کے بارے میں تفصیلی تحقیقات انجام دے چکے ہیں، کہتے ہیں: «شاہ اور اس کی سپاہ کا سرنگون ہو جانا خود شاہ کے امریکی دوستوں سے لیکر تمام سیاستدان اور خبر نگاروں کے لئے ایک عظیم حادثہ کی مانند تھا» ۔ وہ مزید کہتا ہے: «کیونکہ میری نظر میں ایران کا انقلاب دوسرے انقلابوں کی نسبت مکمل طور پر الگ تھا اس کے اصول و قواعد بالکل مختلف تھے اور میں اعتراف کرتا ہوں کہ اس انقلاب نے میرے ان نظریات کو کہ جو فرانس، روس اور چین کے انقلاب کی نسبت تھے کو تبدیل کر دیا» (روزنامہ جمہوری اسلامی، ۷۲/۱۱/۲۱ ۱۳ش، ستون نگاہی از زاویہ دیگر) ۔

امریکی انٹیلیجنس کے صدر نے ایران کے انقلاب کی کامیابی اور اپنی پیشگوئیاں کو غلط ثابت ہوتا دیکھا تو اپنی پوسٹ سے استعفی دے دیا، اور امریکی صدر بوش کے جواب میں کہتا ہے: «جو کچھ ایران میں پیش آیا ناقابل بیان ہے، ہمارے کمپیوٹر اسے سمجھ نہیں سکتے!» (حاجتی، عصرامام خمینی، ص۴۵) ۔ یہ شیعوں کا فرہنگ و ثقافت ہے کہ کچھ افراد مل کر ایک شخص پر منحصر ہو کر رشد کے مراحل طے کرتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں خبروں میں بتایا گیا ہے کہ اسرائیل نے ۱۵افراد پر مشتمل کابینہ تشکیل دی ہے تاکہ حزب اللہ لبنان کے لیڈر سید حسن نصر اللہ کی شخصیت کو پہچان سکے (عبرت ہای عاشورا، ۹۱/۲/۲۲ ۱۳ش، (وضعیت جہان) ص۳) ۔آج دنیا کے مختلف ممالک کو ایک صالح رہبر کی ضرورت ہے کہ جو لوگوں کا احترام کرے، انسانوں کے حقوق کا خیال رکھے نیز دنیا میں صلح قائم کرنے اور امن و سکون کے ساتھ زندگی گزارنے کیلئے کوشاں ہو۔ البتہ اس راستہ اور اس میں پیش آنے والی مشکلات کی نشاندہی رہبر انقلاب حضرت ایہ اللہ العظمی خامنہ ای (مدظلہ العالی) نے تہران میں جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے کی۔ انہوں نے عرب اور شمال آفریقا کے ممالک میں پیش آنے والی اسلامی بیداری اور اس کو روکنے اور خراب کرنے میں استعمار کے کردار کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: «آج دو قطب اس دنیا میں نظر آرہے ہیں ا۔ مستضعفین جہان کہ جو مسلمان رہبر کے زیر سایہ حرکت کر رہے ہیں اور ۲۔ مستکبرین جہان کہ جو آمریکا، ناتو اور صیھونیست کی رہبری میں ہیں۔ کوئی تیسرا ملاک اس دنیا میں موجود نہیں» (روزنامہ کیہان، ۹۰/۱۱/۱۵ ۱۳ش، ص۱۴) ۔آج پوری دنیا میں یہ دو گروہ ایک دوسرے کے مدمقابل میں ہیں۔ باطل، امریکہ اور مستضعفین ایران کی قیادت میں ڈٹے ہوئے ہیں۔ اسلامی فلاسفر علامہ محمد اقبال، اسی حقیقت

کی جانب اپنے اس شعر میں اشارہ کرتے ہیں؛

تہران ہو گر عالم مشرق کا جینوا شاید کہ کرہ ارض کی تقدیر بدل جائے

اقبال اپنے اس شعر میں ایران کے مرکزی کردار کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اہل مشرق ایران کے گرد جمع ہو جائیں تو نہ صرف ان کی مشکلات و پریشانیاں حل ہو جائیں گی بلکہ ان کی تقدیریں ہی بدل جائیں گی۔

نتیجہ:

بیداری، انسان کی فردی و اجتماعی ترقی کے راستوں کو ہموار کرتی ہے۔ مسلمانوں نے تاریخ میں کئی نشیب و فراز کا سامنا کیا۔ استعماری طاقتیں ہمیشہ سے اس کوشش میں رہی ہیں کہ بدترین افراد کو مسلمانوں پر مسلط کیا جائے۔ دوسری طرف مسلمانوں کے مادی و معنوی سرمائے کو غارت کیا اور انہیں ثقافتی بحران کا شکار کیا تاکہ دین کی تھوڑی سی جھلک بھی باقی نہ رہ سکے۔ یہ امور سبب بنے کہ مصلحان دین، جیسے: سید جمال اسد آبادی، محمد عبدہ، مودودی، علامہ اقبال، امام خمینی وغیرہ نے امت کی بیداری اور اصلاح کے لئے اقدامات کیا۔ ان کوششوں کا ثمر بخش نتیجہ انقلاب اسلامی ایران کی صورت میں ظاہر ہوا کہ جس کے نتیجہ میں اسلامی امت میں نشاط و خود اعتمادی پیدا ہوئی اور اسلامی مقاومت بالخصوص فلسطین کے مسئلہ کو ایک نئی اور تازہ روح ملی۔ آج اس پوری دنیا اور بالخصوص عرب ممالک میں اسلامی بیداری کی اس روح نے استکباریت کی نیندیں حرام کر دی ہیں۔ جدید مشرق وسطی نے ماہیت کو تبدیل کیا اور اسلامی جدید مشرق وسطی کو قبول کرنے کا راستہ ہموار کیا۔

اس بنا پر اس مقالہ میں ان تبدیلیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے علاقائی اور پوری دنیا کی بیداری کے قیام، استمرار و حفاظت کے لئے، قرآنی نظریہ کے مطابق ایک رہبر کو جن شرائط کا حامل ہونا چاہیئے انہیں مورد تحقیق قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ بیداری کے لئے ۲ بنیادی ارکان (رہبر اور ملت) کی ضرورت ہے لہٰذا قرآن مجید میں رہبر و ملت کی جن مشترکہ شرائط کا ذکر ہے ان کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح اسلامی بیداری میں رہبر کے کردار کو پیغمبر اکرم کی سیرت کی روشنی میں بیان کیا گیا کہ کس طرح کم ترین زمان میں تاریخ کا سب سے بڑا انقلاب برپا کیا اور پوری دنیا کے لئے نمونہ عمل قرار پائے۔ اگر یہ شرائط مہیا ہو جائیں تو اسلامی بیداری کے ایجاد، استمرار

منابع

۱. قرآن کریم؛
۲. آلوسی، محمود، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۵ق؛
۳. آیتی، عبدالمحمد، ترجمہ قرآن، تہران: انتشارات سروش، ۱۳۷۴ش؛
۴. ابیاری، ابراہیم، الموسوعۃ القرآنیۃ، بی جا: موسسہ سجل العرب، ۱۴۰۵ق؛
۵. ابن ابی الحدید، عزالدین ابوحامد، شرح نہج البلاغہ، قم: مکتبۃ آیۃ اللہ المرعشی النجفی العامۃ، ۱۳۸۱؛
۶. ابن جوزی، عبدالرحمٰن بن علی، زاد المسیر فی علم التفسیر، بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۴۲۲ق؛
۷. ابن قتیبۃ، عبداللہ بن مسلم، المعارف، تحقیق: ثروت عکاشۃ، قاہرۃ: الہیئۃ المصریۃ العامۃ
۸. ابن قتیبۃ الدینوری، عبداللہ بن مسلم، الامامۃ والسیاسۃ، تحقیق: علی شیری، بیروت، دار الأضواء، ۱۴۱۰ق؛
۹. ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ، الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب، تحقیق علی محمد بجاوی، بیروت: دار الجیل، ۱۴۱۲ق؛
۱۰. ابن سید الناس، محمد، عیون الأثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، بیروت: دار القلم، ۱۴۱۴ق؛
۱۱. ابن حبیب، محمد، المحبر، تحقیق: ایلزۃ لیختن شتیتر، بیروت: دار الآفاق الجدیدۃ، بی تا؛
۱۲. ابن اثیر، علی بن ابی الکرم، الکامل فی التاریخ، بیروت: دار صادر، ۱۳۸۵ق؛
۱۳. ابن عاشور، محمد بن طاہر، التحریر والتنویر، بی جا، بی تا، بی نا؛
۱۴. ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، بیروت: دار صادر، ۱۴۱۴ ق؛
۱۵. ابن میثم، میثم بن علی بن میثم بحرانی، شرح نہج البلاغہ، بی جا، دفتر نشر الکتاب، ۱۴۰۴ق؛
۱۶. ابو محمد، سہل بن عبداللہ، تفسیر التستری، بیروت: منشورات محمد علی بیضون/دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۳ق؛
۱۷. ابو حمزہ ثمالی، ثابت بن دینار، تفسیر القرآن الکریم، بیروت: دار المفید، ۱۴۲۰ق؛
۱۸. الہی قمشہ ای، مہدی، ترجمہ قرآن، قم: انتشارات فاطمۃ الزہراء، ۱۳۸۰ش؛
۱۹. بغدادی، علاء الدین علی بن محمد، لباب التاویل فی معانی التنزیل، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۵ق؛
۲۰. بغوی، حسین بن مسعود، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، تحقیق: عبدالرزاق المہدی، بیروت: دار احیاء التراث

۲۱. بلخی، مقاتل بن سلیمان، ۱۴۲۳ق، تفسیر مقاتل بن سلیمان، بیروت: دارإحیاء التراث؛
۲۲. بیضاوی، عبداللہ بن عمر، ۱۴۱۸ق، إنوار التنزیل وإسرار التأویل، بیروت: داراحیاء التراث العربی؛
۲۳. تستری، سہل بن عبداللہ ابو محمد، تفسیر التستری، بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۲۳ق؛
۲۴. ثعالبی، عبدالرحمٰن بن محمد، جواہر الحسان فی تفسیر القرآن، بیروت: داراحیاء التراث العربی
۲۵. جعفری، یعقوب، کوثر، بی جا، بی تا، بی نا؛
۲۶. حاجتی، میر احمد رضا، عصر امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ، قم: بوستان کتاب، ۱۳۸۷ش؛
۲۷. حسکانی، عبید اللہ بن احمد حاکم، شواہد التنزیل لقواعد التفضیل، تہران: سازمان چاپ وانتشارات وزارت ارشاد اسلامی، ۱۴۱۱
۲۸. حویزی، عبد علی بن جمعہ عروسی، تفسیر نور الثقلین، انتشارات اسماعیلیان _ قم، چاپ چہارم، ۱۴۱۵ق؛
۲۹. خزاز قمی، علی بن محمد، کفایۃ الاثر، قم: انتشارات بیدار، ۱۴۰۱ق؛
۳۰. دمشقی، اسماعیل بن عمر بن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، بیروت: دار الفکر، ۱۹۸۶م؛
۳۱. دمشقی، اسماعیل بن عمر بن کثیر، ۱۴۱۹ ق، تفسیر القرآن العظیم، بیروت: دار الکتب العلمیۃ؛
۳۲. راغب اصفہانی، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القرآن، بیروت: دار العلم الدار الشامیۃ، ۱۴۱۲ق؛
۳۳. زحیلی، وہبۃ بن مصطفیٰ، التفسیر المنیر فی العقیدۃ والشریعۃ والمنہج، بیروت؛ دمشق: دار الفکر؛
۳۴. رازی، فخر الدین محمد عمر، مفاتیح الغیب، بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ق؛
۳۵. رازی، فخر الدین محمد بن عمر، مفاتیح الغیب، بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ق؛
۳۶. روزنامہ کیہان ۱۳۷۵/۱۱/۱۸ش؛
۳۷. روزنامہ جمہوری اسلامی، ۱۳۷۲/۱۱/۲۱ش؛
۳۸. روشہ، گی، تغییرات اجتماعی، ترجمہ: وثوقی، منصور، تہران: نشرنی، ۱۳۸۷؛
۳۹. سمرقندی، نصر بن محمد بن احمد، بی تا، بحر العلوم، بی جا، بی نا؛
۴۰. سیوطی، جلال الدین، الدر المنثور فی تفسیر المأثور، قم: کتابخانہ آیۃ اللہ مرعشی نجفی، ۱۴۰۴ق؛
۴۱. شریف لاہیجی، محمد بن علی، تفسیر شریف لاہیجی، تہران: دفتر نشر داد، ۱۳۷۳ش؛
۴۲. شیرازی، ناصر مکارم وہمکاران، تفسیر نمونہ، تہران: دار الکتب الإسلامیۃ، ۱۳۷۴ش؛

۴۳. شیرازی، محمد حسینی، تبیین القرآن، بیروت: دار العلوم، ۱۴۲۳ق؛
۴۴. شیرازی، محمد حسینی، تقریب القرآن إلی الأذہان، بیروت: دار العلوم، ۱۴۲۴ق؛
۴۵. شوکانی، محمد بن علی، فتح القدیر، دار ابن کثیر، دمشق: ۱۴۱۴ ق؛
۴۶. صدوق، شیخ، التوحید، قم: جامعہ مدرسین، ۱۳۹۸ق؛
۴۷. طباطبائی؛ محمد حسین، تفسیر المیزان، قم: دفتر انتشارات اسلامی جامعہ ی مدرسین حوزہ علمیہ، ۱۳۷۴ش؛
۴۸. طبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، بیروت: دار المعرفہ، ۱۴۱۲ق؛
۴۹. طبرسی، فضل بن حسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، تہران: انتشارات ناصر خسرو، ۱۳۷۲ش؛
۵۰. طریحی، فخر الدین، مجمع البحرین، تہران: کتابفروشی مرتضوی، ۱۳۷۵ش؛
۵۱. طوسی، محمد بن حسن، بی تا، التبیان فی تفسیر القرآن، بیروت: دار احیاء التراث العربی؛
۵۲. طوسی، شیخ، الأمالی، قم: دار الثقافۃ، ۱۴۱۴ق؛
۵۳. طنطاوی، محمد، التفسیر الوسیط للقرآن الکریم، بی جا، بی نا، بی تا؛
۵۴. عبدہ، محمد، شرح نہج البلاغہ، قاہرہ: مطبعہ الاستقامہ، بی تا؛
۵۵. عبرت ہای عاشورا، ۱۳۹۱/۲/۲۲ش، (وضعیت جہان)؛
۵۶. فراء، ابوزکریا یحیٰی بن زیاد، معانی القرآن، مصر: دار المصریہ للتألیف والترجمہ، بی تا؛
۵۷. فراہیدی، خلیل بن احمد، کتاب العین، قم: انتشارات ہجرت، ۱۴۱۰ق؛
۵۸. قاسمی، محمد جمال الدین، محاسن التاویل، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۸ق؛
۵۹. قرائتی، محسن، تفسیر نور، تہران: مرکز فرہنگی درسہایی از قرآن، ۱۳۸۳ش؛
۶۰. قرشی، علی اکبر، قاموس قرآن، تہران: دار الکتب الإسلامیۃ، ۱۳۷۱ش؛
۶۱. قطب، سید، فی ظلال القرآن، نام کتاب: فی ظلال القرآن، دار الشروق، ۱۴۱۲ق؛
۶۲. قمی، علی بن ابراہیم، ۱۳۶۷ش، تفسیر قمی، قم: دار الکتاب؛
۶۳. کاشانی، محمد بن مرتضی، تفسیر المعین، قم: کتابخانہ آیہ اللہ مرعشی نجفی، ۱۴۱۰ق؛
۶۴. کاشانی، ملافتح اللہ، تفسیر منہج الصادقین فی إلزام المخالفین، تہران: کتابفروشی محمد حسن علمی، ۱۳۳۶ش؛

۶۵. کاشانی محمد بن مرتضی، تفسیر المعین، قم: کتابخانہ آیۃ اللہ مرعشی نجفی، ۱۴۱۰ق؛
۶۶. کرمی حویزی، محمد، التفسیر لکتاب اللہ المنیر، قم: چاپخانہ علمیہ، ۱۴۰۲ق؛
۶۷. کلینی، محمد بن یعقوب، الکافی، تہران: دار الکتب الاسلامیۃ ۱۳۶۵ش؛
۶۸. گنابادی، سلطان محمد، تفسیر بیان السعادۃ فی مقامات العبادۃ، بیروت: مؤسسۃ الأعلمی للمطبوعات، ۱۴۰۸ق؛
۶۹. لاور، اچ. رابرت، دیدگاہہایی درباره دگرگونی اجتماعی، ترجمہ: سید امامی کاووس، تہران مرکز دانشگاہی، ۱۳۷۳ش؛
۷۰. مترجمان، تفسیر ہدایت، مشہد: بنیاد پژوہشہای اسلامی آستان قدس رضوی، ۱۳۷۷ش؛